

اور

بنیادی نظریے (مبادیات)

(۱) سورۃ مزلزلہ نبوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ اس کا پہلا حصہ پہلے سال نازل ہوا (جس میں شب بیداری کی تلقین اور فرعونیت سے (جس کے تحت میں ملکیت بھی آجاتی ہے) مقابلہ کرنے کی ہدایت ہے)

(۲)۔ اس سے پہلے سورہ علق (اقراء) نازل ہوئی تھی جس کی ابتدائی آیتوں سے ”وحی“ کا آغاز ہوا ہے اور یہی لمحہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت عطا ہوا تھا۔ اس سورت کا دوسرا حصہ کچھ عرصہ بعد نازل ہوا۔ دوسرے حصے کا پہلا فقرہ یہ ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ لَكٰٔفٍ اَكْرٰهٌ (الایہ) سچ مح یہ حقیقت ہے کہ انسان آپ سے باہر سوجاتا ہے۔

(حد سے نکل جاتا ہے) اس پر کہ دیکھتا ہے کہ وہ مستغنی (صاحب دولت) ہو گیا ہے (سورۃ ۹۶ آیات ۶-۷)
(۳) سُورَةُ مُدَّثِّرٍ سب سے پہلی سورت ہے جس میں آپ کو دعوت و تبلیغ کی ہدایت کی گئی ہے۔
اس کے پہلے فقرہ میں جس طرح یہ حکم ہے۔ رَبِّكَ فَكَيْفَ۔

اسی طرح یہ حکم ہے۔ وَلَا تَصْنَعُ كَيْفَ تَشَاءُ۔ کسی پر اس مرض سے احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ حاصل کرنا مقصود ہو (کسی کو اس غرض سے نہ دو کہ زیادہ معاوضہ چاہو) بیان القرآن (۲۳: ۷۳)
سورہ فزّل کی وہ آیت جس کا ترجمہ (۱) میں پیش کیا گیا، اس میں دولت کے متعلق کے متعلق دو لفظ ہیں۔

زکوٰۃ اور قرض | زکوٰۃ ایک مخصوص مقدار ہے جو عموماً سرمایہ کا چالیسواں حصہ ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی ختم سال پر لازم ہوتی ہے، جب سرمایہ کی ایک خاص مقدار مثلاً پچون (۵۰) تولہ چاندی کسی مسلمان کے پاس اس کی ضروریات سے فاضل سال بھر رہی ہو تب اس پر فرض ہوتا ہے کہ اس کا چالیسواں حصہ (تقریباً ایک تولہ ساڑھے تین ماشہ) ادا کرے۔

(۴) مکی سورتوں میں سُورۃ بلد بھی ہے، اس کی چند آیتوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:
کیا (انسان) خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں کیا نہیں دیں ہم نے اس کو دُرّ انکھین کیا نہیں دی ہم نے اس کو زبان کیا نہیں دیے ہم نے اس کو دُرّ ہونٹ جن کے ذریعہ گفتگو اور تفسیر و خطابت کا وہ شرف اس کو حاصل ہے جو کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے) اور کیا نہیں تادیے ہم نے اس کو (خیر و شر کا میاں بنا دیا) دونوں راستے۔ پس اس نے گھاٹی کا دشوار گزار راستہ کیوں نہیں طے کیا۔ آپ کو معلوم ہے گھاٹی کیا ہے؟ جس سے گزرنا مشکل ہوتا ہے گھاٹی یہ ہے (کوئی گردن چھڑانا، غلام خرید کر آزاد کرنا یا مقروض کا قرض ادا کر دینا) یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی مٹی میں ملنے والے (فرش زمین پر بسر کرنے والے) ضرورت مند کو۔ سورہ ۹۰ آیات ۴-۷

یعنی صرف اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دیکھنے والا اور بولنے والا بنایا ہے، اس پر لازم ہے کہ اس انعام کے شکریں وہ ہر ضرورت مند کی امداد کرے، وہ اس کا عزیز قریب ہو یا اجنبی (۵) سورۃ الہمزہ بھی مکہ معظمہ کے اسی دور میں نازل ہوئی۔ یہ پوری سورت سرمایہ داری کے خلاف اس شدت سے گرج رہی ہے کہ انقلاب پسندوں کے تمام لڑ بچریہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔
تباجی اور بربادی ہے ہر اس شخص کے لئے جو (اپنی دولت اور سرمایہ کے زعم میں دوسروں کو) طعنہ دیتا ہے، ان میں عیب نکالتا ہے، جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر رکھا ہے، خیال کر رہا ہے کہ

اس کا مال سدا رہے گا اس کے پاس، برگز نہیں یقین رکھو ایسی آگ میں ڈالا جائیگا کہ اس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے۔ آپ کو کچھ معلوم ہے وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے، وہ اللہ کی آگ ہے جو سلگائی گئی ہے جو دلوں تک پہنچے گی اور ان پر بند کردی جائیگی جسے بسے ستونوں میں (سورہ النمرہ، ۱۰)

سورہ مزمل کی آیت جس کا ترجمہ (۱) میں پیش کیا گیا ہے، اس میں دولت خرچ کرنے کے متعلق دو لفظ ہیں: زکوٰۃ - قرض۔

زکوٰۃ ایک مخصوص مقدار ہے جسکی ادائیگی ختم سال پر عائد ہوتی ہے، جب سرمایہ کی ایک خاص مقدار مثلاً ۵۰ تو لے چاندی جو ضروریات سے فاضل ہو کسی مسلمان کے پاس سال بھر رہی ہو تو اس پر فرض ہوگا کہ اس چاندی کا چالیسواں حصہ (تقریباً ایک تولہ ساڑھے تین ماشہ) اس ضرورت مند کو ادا کرے جو مصرف زکوٰۃ ہونے کی شرطیں پوری کرتا ہو یعنی خود صاحب نصاب نہ ہو، ایسا رشتہ دار نہ ہو جس کا نفقہ لازم ہوتا ہے، غیر مسلم نہ ہو، سید نہ ہو وغیرہ وغیرہ

مگر یہ تفصیل تقریباً ۱۵ سال بعد بتائی گئی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ آچکے تھے اور یہاں بھی دو سال تک جب تک یہ تفصیل نہیں بتائی گئی تھی، اس وقت تک زکوٰۃ اور قرض میں صرف اتنا ہی فرق ہو سکتا تھا کہ زکوٰۃ میں یہ ضروری تھا کہ کسی ضرورت مند کو بلا معاوضہ (بطور ہبہ) کے مالک بنایا جائے اور قرض میں یہ شرط نہیں تھی۔

مثلاً آزاد کرنے کے لئے غلام خریدا گیا تو اس کی قیمت میں زکوٰۃ کی رقم نہیں دی جاسکتی تھی، کیونکہ یہاں اگرچہ تمیک ہوتی تھی کہ بائع کو رقم کا مالک بنا دیا جاتا تھا، مگر یہ تمیک بلا معاوضہ نہیں ہوتی تھی یا مثلاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں ایک کنواں (جو ایک یہودی کی ذاتی جائداد میں تھا) خرید کر وقف کر دیا، تو اگرچہ اس سے مسلمانوں کی ایک بنیادی ضرورت پوری ہو گئی کہ یہودی بغیر معاوضہ لئے پانی بھرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا اور اب یہ کنواں وقف عام ہو گیا، تو ہر شخص کو بلا درک ٹوک اور بلا معاوضہ جتنی ضرورت ہوتی، پانی لینے کی عام اجازت ہو گئی تھی مگر چونکہ کسی مسلمان کو اس کا مالک بنانا مقصود نہیں تھا، لہذا اس میں زکوٰۃ کی رقم صرف نہیں کی جاسکتی تھی، چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کے علاوہ اپنے پاس سے رقم خرچ کی جو قرض بنام خدا ہوئی

پس نزول آیت کے وقت کا لحاظ کرتے ہوئے آیت کا مفاد وہ ہوا، جو قرآن شریف میں

دوسرے موقع پر ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے :

يَسْأَلُونَكَ تَأْتِيكَ، تَأْتِيكَ (سورہ بقرہ، آیت ۲۱۸)

”آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا خرچ کریں، آپ فرمادیں، جو کچھ فاضل ہو وہ خرچ کر دو“

پوچھتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں، جو افراد ہو۔ (شاہ عبدالقادر صاحب)

سورہ بقرہ کی یہ آیت اگرچہ بعد میں نازل ہوئی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مکی زندگی کی کھلی ہوئی شہادت یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں برابر عمل وہی رہا ہے جو مفہوم آیت ہے، بعض حضرات مفسرین کی رائے یہ ہے کہ سورہ نزل کی یہ آیت جس میں ادا زکوٰۃ کا حکم ہے، مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی، مگر یہ غیر ضروری تکلف ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے بموجب یہ آیت مکہ معظمہ ہی میں نازل ہوئی۔ مدینہ طیبہ میں زکوٰۃ کے متعلق مذکورہ بالا تفصیل بتائی گئی (فیض الباری)

پوری سورت کا سلسلہ کلام (سابق) بھی یہی واضح کرتا ہے کیونکہ سورت کی پہلی آیتوں میں جو شب بیداری کا حکم دیا گیا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کرام نے (جو اس وقت شرف رفاقت حاصل کر چکے تھے)، اس حکم پر اس طرح عمل کیا کہ کم از کم ایک تہائی درنہ نصف شب یا دو تہائی رات یا درخدا میں کھڑے ہو کر گزاری جس سے پیروں پر درم آگیا اور سال بھر یہ مجاہدہ کرتے رہے تب اس سورت کا دوسرا حصہ نازل ہوا جس میں قیام شب کے حکم میں تخفیف کی گئی اور حکم ہوا کہ سہولت کے بموجب قرآن پڑھو اور تخفیف کی وجہ ایسے انداز سے بیان کی گئی کہ مستقبل کا پورا نقشہ سامنے آگیا۔ بیماری کے عوارض بھی پیش آئیں گے۔ قوی ملی اور معاشرتی ضرورتوں کے لئے سفر بھی کرنے ہونگے راہِ خدا میں مجاہد بھی کرنا ہوگا۔ اسی آیت کا آخری حصہ یہ ہے کہ جس میں نماز ادا زکوٰۃ اور قرض فی سبیل اللہ کا ذکر ہے۔

پس جس طرح اس توجہ میں ایک خانہ قتال اور جہاد کا ہے جسکی تفصیل دس بارہ سال بعد سامنے آئی، ایسے ہی زکوٰۃ کا خانہ بھی ہے جس کا تصور اب دلایا گیا اور تفصیلات بعد میں نازل ہوئیں، لہذا یہ بات کہ اس وقت یہ آیت نازل نہیں ہوئی چودہ پندرہ سال بعد مدینہ میں نازل ہوئی تکلف بار ہے، اتفاق سے یہ پورا رکوع ایک آیت ہے، اس لئے بھی یہ تجزیہ مناسب نہیں ہے کہ کچھ کو مکی مانا جائے اور کچھ کو مدنی (واللہ اعلم بالصواب)

(۶) اسی در کا واقعہ ہے جسکی شہادت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ دیا کرتے تھے کہ ایک روز حرم کعبہ میں گئے، تو دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیوار کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما ہیں۔ ان کو

آتے دیکھا، تو فرمایا۔ ہما الاخسرون ورب الکعبة یوم القیامہ

رب کعبہ کی قسم قیامت کے روز میں لوگ سب سے زیادہ خرابہ میں رہیں گے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے یہ ارشاد سنا تو لرز گیا، مجھے خوف ہوا کہ شاید میرے بارے میں کچھ نازل ہوا۔ میں نے عرض کیا، آپ پر میرے ماں باپ قربان کن کے متعلق یہ ارشاد ہو رہا ہے فرمایا، وہی جن کے پاس دولت زیادہ ہے پھر ہاتھ پھیلا کر دائیں بائیں ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا، اس خرابے سے صرف وہ مستثنیٰ ہو سکتے ہیں جو اس طرح (دو دنوں یا تھ بڑھا کر) اپنے سامنے دیتے ہیں دائیں دیتے رہیں، بائیں دیتے رہیں (ترمذی شریف)

(۷) سیدنا ابوسعود الصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمیں صدقہ (کسی ضرورت میں چندہ کے لئے) فرمایا کرتے تو ہم بازار میں جا کر پلہ ڈھوتے (بو بھٹا اٹھانے کی مزدوری کرتے تھے) اور ایک مد (تقریباً سیر بھر غنہ یا کھجور) حاصل کر لیتے تھے (اور لا کر پیش کر دیا کرتے) (بخاری شریف ص ۱۹)

اگرچہ یہ عمل مدینہ میں ہوا کرتا تھا مگر اس سے مکہ معظمہ کی زندگی اور دنیا کے طرزِ تعادون پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم ن آیتیں سابقین اورین کی ثنا خواں ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ بعد کے حضرات اگرچہ احد کے برابر بھی خرچ کر دیں، تو ان سابقین کے ایک مد کے مساوی نہیں ہو سکتا۔

عبادت اور پوجا کے دو سلسلے ہیں، ایک وہ جس کی بنیاد توحید ہے، دوسرا وہ جس کی بنیاد شرک ہے اسلام توحید کا حامی داعی اور معتمد ہے اور جن عبادتوں کی وہ تعظیم دیتا ہے ان سب کی بنیاد توحید پر رکھتا ہے۔

اسی طرح مالی نظام کے دو سلسلے ہیں، ایک وہ جسکی بنیاد داد و دہش، جو د عطا اور انفاق (یعنی اپنے سرمایہ کو خرچ کرنے) پر ہے، دوسرا وہ جسکی بنیاد اخذ و سبذ، وصول کرنے، دولت سمیٹنے، استحصال اور زیادہ ستانی پر ہے۔

اسلام جس طرح توحید کا حامی داعی اور متبغ ہے، اسی طرح وہ اس مالی نظام کا حامی ہے جسکی بنیاد، داد و دہش، استغفار، سیر، چشمی اور فائدہ رسانی پر ہو۔

وہ مالی نظام کے مذکورہ بالا دوسرے سلسلہ کا اتنا ہی مخالف ہے اور اسی طرح اس کی بڑیں اکھاڑتا ہے جیسے وہ شرک، کفر، الحاد اور بے دینی کا مخالف ہے اور ان کے مقابلہ کے لئے اپنے تمام ذرائع

صرف کرتا ہے۔

نبوت کے ابتدائی دور میں جب تفصیلی احکام کی تلقین نہیں ہو رہی تھی۔ ان کے صرف اشارات دیئے جا رہے تھے۔ ان دونوں بنیادوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سورہ روم میں اسلام کی پالیسی اظہار جن الفاظ میں کر دیا تھا، ان کا ترجمہ یہ ہے

ادا کر قرات دار کو اس کا حق اور مسکین کو اور مسافر کو (ملکی یا غیر ملکی کوئی تفریق نہیں ہے) یہ بہتر ہے ان کے لئے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں، ایسے ہی لوگ ہیں

فلاح پانے والے (لامیاب) اور وہ جو تم سود و دتا کہ لوگوں کے مال میں بڑھوتی

(اضافہ) ہو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا (البتہ) جو زکوٰۃ ادا کر دے جس سے اللہ کی رضا مقصود ہو تو یہ (زکوٰۃ ادا کرنے والے) ہی ہیں وہ اضافہ کرنے والے (بڑھادے)

(سورہ روم ۲، آیت ۲۸، ۲۹)

مدینہ طیبہ میں جب تفصیلات بتائی گئیں تو ان دونوں سلسلوں کا مقابلہ نمایاں کر دیا گیا اور ہر ایک کی تاثیر کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا۔ ایک سلسلہ یہ ہے:-

(۱) جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں رات اور دن پوشیدہ طور پر اور کھلے طور پر تو یقیناً ان کے پروردگار کے یہاں ان کا اجر ہے نہ ان کو (عذاب) کا ڈر ہوگا اور نہ (ناسرادی کی) غمگینی (سورہ بقرہ آیت ۲۷۳، رکوع ۳۶)

(۲) جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے کام بھی اچھے ہیں، نیز تمام آداب کا لحاظ کرتے ہوئے غنا ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تو بلاشبہ ان کے پروردگار کی بارگاہ میں ان کا اجر ہے اور نہ ان کو کسی طرح کا ڈر ہو سکتا ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی (سورہ بقرہ آیت ۲۷۶، ۲۷۷)

(۳) سورہ روم کی مذکورہ بالا آیت میں جو فرمایا گیا تھا کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہی اضافہ کرنیوالے ہیں تو اس اضافہ بڑھوتی کی شکل بھی بیان کر دی گئی کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بیج کا دانہ بویا گیا تو صرف ایک دانہ تھا، پھر ایک دانہ سے سات بایں پیدا ہو گئیں اور ہر دانہ میں ۱۰۰ دانے نکل آئے اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اس کے لئے بھی دگنا کر دیتا ہے۔

(سورہ بقرہ آیت ۲۶، ۲۷)

دوسرا سلسلہ یہ ہے:-

(۱) جو لوگ کھاتے ہیں سود تو نہ اٹھیں گے، مگر بصطرح اٹھتا ہے وہ جس کے حواس کھودے

جن نے پیٹ کر۔ (سورہ بقرہ ۲۱۶) (یعنی جیسے کوئی آسیب زدہ ہو یا مرگی کا مرگی)

(۲) اے ایمان والو! اللہ سے اور چھوڑو جو رہ گیا سود (جو حُرمتِ سود سے پہلے لازم ہو چکا تھا) اگر تم فی الحقیقت خدا پر ایمان رکھتے ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر اس باغیانہ روش سے توبہ کرتے ہو تو پھر تمہارے لئے یہ حکم ہے کہ اپنی اصل رقم لے لو اور سود چھوڑ دو، نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے اور اگر مقررہ تنگدست ہے تو چاہیے کہ اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے۔ (سورہ بقرہ ۲۸۸، آیت ۲۸۹، ۲۹۰)

فیصلہ (ڈگری ۱) دارالاسلام وہی ہے جہاں اسلام کا قانون رائج ہو، ایسی مملکت کوئی عدالت سود کی ڈگری نہیں دے سکتی۔ اگر دارالاسلام میں کسی نے سود لے لیا اور سود دینے والے نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا تو اسلامی عدالت سود کی رقم واپس کرا دیگی۔

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک | دارالاسلام کا کوئی مسلمان کسی غیر اسلامی مملکت میں پینچا، دیاں اس نے دیاں کے ریشے والے کسی غیر مسلم سے سود لے لیا تو اسلام جس اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ اس کے لحاظ سے یہ بھی غیر مناسب ہے تاہم قانونی بات یہ ہے کہ اگر وہ غیر مسلم دارالاسلام میں آکر اس سود لینے والے مسلمان پر دعویٰ کرے تو اسلامی عدالت اس کو سود واپس کر دینے کا فیصلہ نہیں کرے گی کیونکہ وہ ایسی مملکت کا معاملہ ہے جو اس کے دائرہ اقتدار سے خارج ہے جہاں اسلامی قانون رائج نہیں ہے۔

آج پوری دنیا سودی نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور بینک سسٹم پر ناز کر رہی ہے، مگر کیا دنیا کی تمام طاقتیں خصوصاً بڑی طاقتیں خود غرضی، سنگ دلی اور حرص و طمع کے آسیب میں مبتلا نہیں ہیں اور کیا خوف و ہراس بے اطمینانی اور بے اعتمادی کی وبا تمام دنیا میں پھیلی ہوئی نہیں ہے خود غرضی اور سنگ دلی کا جواز پیدا کرتی ہے اور جب سود ملتا ہے تو ان خصلتوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور جب یہ خصلتیں قوم کا مزاج بن جاتی ہیں تو وہ بحرانِ ردنا ہوتا ہے جو آج دنیا پر طاری ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہلک آلات ایجاد ہو رہے ہیں جو بڑی سے بڑی قوموں کو بدحواس کئے ہوئے ہیں۔ انتہا یہ کہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک بھی یہی سمجھ رہا ہے کہ وہ آتش نشاں پر بیٹھا ہوا ہے۔

نوع انسانی کے لئے اس سے زیادہ آسیب کیا ہو سکتا ہے اور کیا اس مشاہدہ کے بعد بھی ارشادِ ربانی کی تصدیق کے لئے کسی اور مشاہدہ کی ضرورت ہے ؟ ❖ ❖ ❖